حضرت مولانا عتیق الرحمان سنبھلی (لندن)
مدیر اعزازی 'الفرقان' لکھنؤ

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

(مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک مطالعہ)

عمر کے چوبیس سال پورے ہوئے تھے کہ مولانا اپنی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ کے ذریعے دین وملت کی خدمت کے افق پر نمودار ہوئے اور یہی کتاب انکی آئندہ زندگی کا سنگ بنیاد بن گئی۔ اپنی سوانح حیات (کاروانِ زندگی) میں اس تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اب وہ زمانہ اور مبارک موقع آیا جو میری زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ ایک نئے اور مبارک دور کا آغاز" (ج اول ص ۱۶۷) ایک صفحے کے بعد اسی مبارک آغاز کے بارے میں پھر لکھتے ہیں "یہ بڑا مبارک آغاز تھا اور اس سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے مجھے خود اندازہ نہ تھا کہ یہ اقدام خود میری زندگی میں انقلاب انگیز بلکہ عہد آفرین ثابت ہوگا۔ (۱۷۰۔۱۶۹) کتاب کا ایک اقتباس بھی اس موقع پر درج فرمایا گیا ہے جس میں مولانا کی زندگی کے نئے اور عہد آفرین دور اور اسکی خصوصیات کا عکس جھلک رہا ہے۔ ارشاد ہوا ہے۔

"کیفیات ایمانی کے جان نواز جھونکے تاریخ اسلام میں بارہا چلے ہیں لیکن ایمان ویقین اور خلوص وللّٰہیت کی ایسی بادبہاری ہمارے علم میں کم سے کم اس ملک میں اس سے پہلے نہیں چلی نہ اس سے پہلے اتنے بڑے پیمانے پر عزم و توکل جوش جہاد 'ایمان واحتساب' شوقِ شہادت اور یقین آخرت کے ایسے نمونے دیکھنے میں آئے۔ آدم گری ومردم سازی 'اصلاح وانقلاب کے ایسے محیر العقول واقعات بھی اصلاح وتربیت کی تاریخ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں" (ص ۱۶۹)

مولانا نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہاں دین کے ساتھ وسیع معنی میں علم وادب کا بھی دور دورہ تھا خود آپ کے والد ماجد جو مختلف جہات کی علمی وادبی شانیں رکھتے تھے۔ ایک طرف "نزهة الخواطر و بهجة المامع و النواظر" جیسی بیش بہا علمی وتاریخی عربی تصنیف کا فخر حاصل فرمایا تو دوسری طرف "گل رعنا" جیسی اردو شعر وادب میں پائے کی کتاب بھی آپ کے قلم

سے نکلی۔ حضرت دادا صاحب بھی صاحبِ تصانیف بزرگ تھے ۔اس خاندانی ماحول سے آگے بڑھ کر ندوۃ العلماء کا علمی وادبی ماحول آتا ہے۔ پھر ذاتی ذوق بھی ماشاءاللہ بچپن ہی سے کتاب کے کیڑے ہونے کا نصیب میں آیا تھا۔ جو پڑھا اور بہترین استادوں سے پڑھا وہ تو حرفِ جان بنایا ہی۔ اسکے ماسوا بھی جہاں تک ہاتھ پہنچا اسے پڑھنے اور ہضم کر لینے سے نہ چھوڑا۔ سولہ سال کی عمر میں اقبال کی نظم کا عربی ترجمہ کر کے ان سے داد پائی۔ سترہ کی عمر میں سید رشید رضا مصری کے المنار جیسے رسالے میں اپنے مضمون کے ساتھ بار پانا۔ یہ سب اسی علمی وادبی ذوق اور ماحول کی کارفرمائی تھی۔

لیکن دین اور دینی شعور بھی اپنے اعلیٰ خاندانی ماحول اور دینی تعلیم کی بنا پر برابر کا اثر رکھے ہوئے تھا یہی چیز تھی کہ انیس بیس سال کی عمر میں ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے علم قرآن سے مستفید ہونے کے لئے لاہور گئے تو صرف درسی فائدہ اٹھا کر واپس نہیں آگئے بلکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں جو باطنی کمالات اور شان خدارسی تھی کہ اسکا اثر خود درس سے بھی بڑھ کر طبیعت نے قبول کیا خود ہی فرماتے ہیں۔

"میری زندگی میں وہ بڑا مبارک دن اور بڑی سعید گھڑی تھی جب مولانا احمد علی لاہوری امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ سے نیاز حاصل ہوا۔ میری زندگی کے دو بڑے موڑ ہیں جہاں سے زندگی نے نیا راستہ (جہاں تک خیال ہے بہتر اور مبارک راستہ) اختیار کیا۔ پہلا موڑ جب مولانا احمد علی صاحب سے ملاقات ہوئی تو میری زندگی اچھی یا بری۔ بہر حال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوئی اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق اور رجحان نہ پایا جاتا۔ خداشناسی اور خدارسی راہ یابی اور درست ردی تو بڑی چیزیں ہیں مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق اور خدا کے نام کی حلاوت اور مردانِ خدا کی محبت اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔" (پرانے چراغ حصہ اول ص ۱۳۴)

یہ بات ۳۲۔۱۹۳۱ء کی ہے کہ لاہوری مرد درویش کے فیض صحبت سے خدا طلبی کے ذوق اور خدا کے نام کی ذائقہ شناسی دولت کا اضافہ' مولانا کے کہنے کے مطابق ان کی شخصیت کے عناصر میں ہوا۔ اب بس ایک آنچ کی کسر اور تھی کہ شخصیت اپنے وقت کی ایک کامل شخصیت کے سانچے

ہیں ڈھلنے کی راہ پالے۔ اس کسر کے پورا ہونے کا ڈول بھی ٹھیک اسی زمانے میں اس طرح پڑا کہ مولانا کو اپنے خاندانی ہیرو اور فخر ملت اسلامیہ ہند حضرت سید احمد شہید کے حالات و سوانح کے مطالعے کی تحریک بعض اسباب سے پیدا ہوگئی اور پھر سید صاحب کے انقلاب انگیز اور مردم ساز حالات کی دنیا میں چار پانچ سال بسر کر کے جب وہ سیرت شہیدؒ کے مسودے کیساتھ باہر آئے تو اپنی علمی و ادبی اور تاریخی شخصیت کیساتھ اور خدا طلبی خدا یابی کے تازہ یاب ذوق و رجحان کے ساتھ راہ خدا میں آبلہ پائی و سر فروشی کے اس جذبے کی آنچ بھی پا گئے تھے جس سے ایک مومن صادق کی شخصیت تکمیل پاتی ہے۔ اور پھر اس کا اندرون اس صدائے برحق سے گونج اٹھتا ہے کہ ؎

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دل کے آئینے میں وہ تجھ کو دکھا کر رخِ دوست زندگی اور بھی دشوار سے دشوار کرے

لیکن یہ ۱۸۵۷ء کے بعد والا ہندوستان ہے جب تیر و سناں کی آزمائش کا وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے بلکہ ۱۹۲۴ء کے بھی بعد والا زمانہ جب خلافت اسلامیہ عثمانیہ کی شمشیر خارا شگاف ہماری شومئی اعمال سے دو نیم ہو چکی ہے اب صرف زبان و قلم، دعوت و پکار اور جسم و جاں کی تمام توانائیوں کیساتھ ایک جہد مسلسل ہی سے اندرون کی اس گونج اور تڑپ کیلئے تسکین کا سامان ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کو بھی مولانا سے کچھ اچھی واقفیت کا موقع ملا ہے ان میں شاید کوئی ایک بھی اس معاملہ میں دوسری رائے نہ رکھتا ہو کہ مولانا نے ایک بے تاب روح کیساتھ اپنی تمام علمی و ادبی صلاحیتیں اور جسم و جان کی گونج انہوں نے سیرت شہید علیہ الرحمہ کی تالیف کے وقت سے اپنے دل و دماغ میں پائی تھی۔ گویا ع صلہ عِ شہید کیا ہے تب و تاب جاودانہ

لیکن اس "تب و تاب" کی روح وہی "دل کے آئینے میں رخ دوست کی دید" تھی جو حضرت سید شہید کو شہادت گہہ بالاکوٹ میں لے گئی اور یہ دید اور اس پر مزید "ھل من مزید" کی تڑپ اگر نہیں تو یہ "تب و تاب" وہ اعتبار اور وہ اعزاز حاصل نہیں کر پاتی جو ہم نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ذات گرامی کے معاملے میں دیکھا۔ ہماری خوش قسمتی کے مولانا مرحوم کو اس شئی کی قدر و قیمت کا ایسا غیر معمولی احساس میسر آیا تھا کہ انہوں نے اپنی دعوتی جدوجہد ہیں

اس کی اہمیت نمایاں کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی۔ یہاں زیادہ مثالیں نہیں دی جاسکتیں صرف ایک اقتباس سن لیجئے جو ایسی نماز کی تجدید کی دعوت وترغیب سے ماخوذ ہے جو نماز "رخِ دوست" کو دکھانے والی ہو۔ اپنی مایہ ناز کتاب "ارکان اربعہ" میں فرماتے ہیں۔

"تجدید واحیاء اور اصلاح وانقلاب کی کوشش اور تحریک اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب امت کے عوام اور علما میں عشق ومحبت اور ایمان ویقین کی اس چنگاری کو دوبارہ بھڑکایا جائے اور دعوت وتربیت اور جہاد ومجاہد اور اس حقیقی پرسوز اور خشوع وخضوع والی نماز کی کچھ جھلکیاں امت میں پھر پیدا ہوں جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی خصوصیت اور طاقت تھی۔" (ص ۱۱۷) اس شئی کی قدر وقیمت اور اسلامی زندگی میں اسکی اہمیت کا یہ احساس اس مردِ اقبالمند کو تھا کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری جیسے جو مردان حق اسکے تجربے میں یا علم ومطالعے میں آئے کہ جن کی رہنمائی یا جن کے نقش قدم کی پیروی سے اس دولت بیدار کی راہ کھلتی ہے۔ انکے معاملے میں اس نے جب دیکھا کہ امت کا المخلقہ کو اصطلاحی غلط فہمیوں کے باعث نہ صرف ان سے کنارہ کش بلکہ انکی مخالفت کو خدمت حق سمجھ رہا ہے تو داد دینی حق ہے کہ اس مردِ خدا نے اپنی نہایت نمایاں مقبولیت تک کو خطرے میں ڈال کر ایک پوری کتاب ربانیة لارهبانیه کے نام سے ترتیب دے ڈالی۔ بس اسی کے ایک چند سطری اقتباس پر یہ گفتگو ختم ہوتی ہے کہ اسمیں انس کا ایک پیغام بھی صاف سنا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب کے دیباچے میں ارشاد ہوا ہے۔

وبعد افهذا مقالات كتبت فى أوقات مختلفة وفى مناسبات مختلفة ' و بعضها حديث لم يطبع ' تجمع بينها وحدة معنوية وهى شرح فكرةٍ على أساس العلم والتجربة ' وايضاح ضرورة او ثغرة فى حياتنا و أخلاقنا ' لا بد ان تسد و دفاع عن جماعة اشتدت حولها الخصومة فى هذا العصر ' ومعظم من يخوض فيها و يتحمس لا يعرفها معرفة شخصية عميقة ولا يتعب نفسه فى دراستها وقد اتاح الله للمولف ـ لحكمة يعلمها ـ فرصه الاتصال بها اتصالا لا يتاتى لكل من عاش فى مثل جوه العلمى وبيئته العصرية ' فسجل مشاهداته وانطباعاته وحصيلة

دراسته وخياته فی هذه المقالات ' مجموعة فی هذا الكتاب ' ننشرها اليوم قياما بالواجب واعترافا بالجميل و دفاعا عن جماعة تدين لها بعض الأ جيال وبعض الأ قطار بالدخول فی الإسلام ' أوبالبقاء عليه ' راجيا من الله ثواب هذا العمل وعسى ان يحرك ساكن القلوب ' وان يثير كامل الايمان ' وان يحمل بعض العقلاء المنصفين على التفكير من جديد' وعلى طلب المزيد ' و بالله التوفيق وله حمد فی الأولی والاخرة۔ اردو بھی میں عبارت کا مفہوم یوں سمجھئے۔

یہ چند مضامین و مقالات ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف مناسبتوں سے لکھے گئے ہیں لیکن ایک معنوی وحدت نے ان سب کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ یہ اپنے علم و تجربے کی بنیاد پر ایک فکر اور ایک خیال کی وضاحت ہے اور ہماری زندگی اور اخلاقیات کیلئے ایک ایسی ضرورت کی نشاندہی ہے کہ اسکی طرف توجہ نہ کرنے سے ایک بڑا بھاری خلار ہتا ہے۔ یہ دفاع ہے اہل حق کی ایک ایسی جماعت کا جو مسلسل نکتہ چینی میں زیادہ تر جوش دکھانے والے وہ ہیں جنکو اس جماعت کے بارے میں نہ کوئی مناسب ذاتی واقفیت ہے اور نہ اسکے بارے میں کسی گہرے مطالعے کی زحمت اٹھائی گئی ہے۔

اس مصنف پر اللہ کا یہ ایک بڑا فضل ہے کہ خالص علمی وادبی ماحول میں رہتے ہوئے جہاں س جماعت سے رشتہ و تعلق کا موقع عام طور پر نہیں ملا کرتا اسے یہ موقع حاصل ہوا۔

آج یہ مجموعہ مضامین اللہ کی توفیق سے ایک ادائے فرض کے طور پر اس جماعتِ حقہ کے فاع میں شائع کیا جارہا ہے جسکے احسان سے پورے پورے ملک اور قومیں سبکدوش نہیں ہو سکتیں انہیں کی مخلصانہ اور مجاہدانہ کوششوں کی بدولت انکو اسلام میں داخلے کی دولت یا اس پر قائم رہنے کی عزت ملی۔ یہ اس امید پر شائع کیا جارہا ہے کہ شاید دلوں کے ساکن سمندر میں اضطراب کی کوئی موج اس سے پیدا ہو ایمان کا جذبہ خفتہ جاگ اٹھے۔ اور ملت کے ذہین و فہیم اور حق پسند افراد اس مسئلہ پر از سرِ نو غور کے لئے اور خوب سے خوب تر کی یافت و دریافت کے لئے آمادہ ہوں۔ توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اول و آخر سزاوارِ حمد ہے۔

☆☆☆☆